خاتمہ

یہ ہے وہ نقطۂ عدل اور مقام توسط جسکی دنیا اپنی ترقی اور خوشحالی اور اخلاقی امن کے لیے محتاج اور سخت محتاج ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں بیان کر چکا ہوں، تمدن میں عورت، یعنی عالم انسانی کے پورے نصف حصہ کی جگہ معین کرنے میں دنیا ہزاروں سال سے ٹھوکریں کھاتی رہی ہے۔ کبھی افراط کی طرف جاتی ہے اور کبھی تفریط کی طرف۔ اور یہ دونوں انتہائیں اسکے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں۔ تجربات اور مشاہدات اس نقصان پر شاہد ہیں۔ ان انتہاؤں کے درمیان عدل و توسط کا مقام، جو عقل اور فطرت کے عین مطابق اور انسانی ضروریات کے لیے عین مناسب ہے، وہی ہے جو اسلام نے تجویز کیا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں متعدد ایسے موانع پیدا ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے لیے اس صراطِ مستقیم کو سمجھنا اور اسکی قدر کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

ان موانع میں سب سے اہم مانع یہ ہے کہ زمانۂ جدید کا انسان عموماً "یرقان" میں مبتلا ہو گیا ہے اور مشرق کے فرنگیت زدہ لوگوں پر اس یرقان کی ایک اور زیادہ خطرناک قسم کا حملہ ہوا ہے جسے میں "یرقان ابیض" کہتا ہوں۔ میں اپنی اس صاف گوئی پر اپنے دوستوں اور بھائیوں سے معافی کا خواستگار ہوں، مگر جو حقیقت ہے اس کے اظہار میں کوئی مروّت مانع نہ ہونی چاہیے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ اسلام کا کوئی حکم اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو ثابت شدہ علمی حقائق کے خلاف ہو۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ جو کچھ علمی حقیقت ہے وہی عین اسلام ہے۔ مگر اس کو دیکھنے کے لیے بے رنگ نگاہ کی ضرورت ہے تاکہ ہر چیز کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھ سکے۔ وسیع نظر کی ضرورت ہے تاکہ ہر چیز کے تمام پہلوؤں کو دیکھ سکے۔ کھلے دل اور سلیم فطرت

کی ضرورت ہے تاکہ حقائق جیسے کچھ بھی ہوں ان کو ویسا ہی تسلیم کرے اور اپنے رجحانات کے تابع بنانے کے بجائے رجحانات نفس کو ان کے تابع کر دے - جہاں یہ چیز نہ ہو وہاں اگر علم ہو بھی تو بیکار ہے - رنگین نگاہ جو کچھ دیکھے گی اسی رنگ میں دیکھے گی جو اس پر چڑھا ہوا ہے - محدود نظر مسائل اور معاملات کے صرف انہی گوشوں تک جا سکے گی جو اُس زاویہ کے سامنے واقع ہوں جس سے وہ انہیں دیکھ رہی ہے۔ پھر ان سب کے باوجود جو کچھ علمی حقائق اپنی اصلی حالت میں اندر تک پہنچ جائیں گے اُن پر بھی دل کی تنگی اور فطرت کی کجی اپنا عمل کرے گی - وہ حقائق سے مطالبہ کرے گی کہ اُس کے داعیاتِ نفس اور اُس کے جذبات ورجحانات کے موافق ڈھل جائیں، اور اگر وہ نہ ڈھلیں گے تو وہ اُن کو حقائق جاننے کے باوجود نظر انداز کر دے گی اور اپنی خواہش کا اتباع کرے گی - ظاہر ہے کہ اس مرض میں جب انسان گرفتار ہو تو علم، تجربہ، مشاہدہ کوئی چیز بھی اس کی رہنمائی نہیں کر سکتی، اور ایسے مریض کے لیے قطعی ناممکن ہے کہ وہ اسلام کے کسی حکم کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکے، کیونکہ اسلام دین فطرت بلکہ عین فطرت ہے - دنیائے مغرب کے لیے اسلام کو سمجھنا اسی لیے مشکل ہو گیا ہے کہ وہ اس بیماری میں مبتلا ہو گئی ہے - اُسکے پاس جتنا بھی "علم"[1] ہے وہ سب کا سب "اسلام" ہے - مگر خود اُسکی اپنی نگاہ رنگین ہے - پھر یہی رنگ "یرقان ابیض" بن کر مشرق کے نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی نگاہوں پر چھا گیا ہے، اور یہ بیماری ان کو بھی حقائق علمیہ سے صحیح نتائج نکالنے اور مسائل حیات کو فطری نگاہ سے دیکھنے میں مانع ہوتی ہے - ان میں سے جو مسلمان ہیں وہ ہو سکتا ہے کہ دین اسلام پر ایمان رکھتے ہوں، اُس کی صداقت کے معترف بھی ہوں، اتباع دین کے جذبہ سے بھی خالی نہ ہوں، مگر وہ غریب اپنی آنکھوں کے یرقان کو کیا کریں کہ جو کچھ ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس کا رنگ ہی انہیں صبغۃ اللہ کے خلاف نظر آتا ہے -

دوسری وجہ جو فہم صحیح میں مانع ہوتی ہے، یہ ہے کہ عام طور پر لوگ جب اسلام کے کسی مسئلہ پر

[1] "علم" یعنی حقیقت کا علم، نہ کہ نظریات اور حقائق سے اخذ کردہ نتائج -

غور کرتے ہیں تو اُس نظام اور سسٹم پر بحیثیت مجموعی نگاہ نہیں ڈالتے جس سے وہ مسئلہ متعلق ہوتا ہے، بلکہ نظام سے الگ کرکے اُس خاص جزء کو من حیث ہو ہو لے لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جزء تمام حکمتوں سے خالی نظر آنے لگتا ہے، اور اس میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہونے لگتے ہیں۔ سود کے مسئلہ میں یہی ہوا کہ اس کو اسلام (یعنی فطرت) کے اصولِ معیشت اور نظام معاشی سے الگ کرکے دیکھا گیا۔ ہزاروں سقم اس میں نظر آنے لگے، یہاں تک کہ بڑے بڑے صاحب علم لوگوں کو بھی مقاصد شریعت کے خلاف اس میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ غلامی اور تعدد ازواج اور حقوق الزوجین اور ایسے ہی بہت سے مسائل میں اسی بنیادی غلطی کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اور پردہ کا مسئلہ بھی اسی کا شکار ہوا ہے۔ اگر آپ پوری عمارت کو دیکھنے کے بجائے صرف اس کے ایک ستون کو دیکھیں گے تو لامحالہ آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ آخر کیوں لگایا گیا ہے۔ آپ کو اس کا قیام تمام حکمتوں سے خالی نظر آئے گا۔ آپ کبھی نہ سمجھ سکیں گے کہ انجنیر نے عمارت کو سنبھالنے کے لیے کس تناسب اور کس موزونیت کے ساتھ اس کو لگایا ہے اور اس کو گرا دینے سے پوری عمارت کو کیا نقصان پہنچے گا۔ بالکل ایسی ہی مثال پردے کی ہے۔ جب وہ اُس نظام معاشرت سے الگ کر دیا جائیگا جس میں وہ عمارت کے ستون کی طرح ایک ضرورت اور مناسبت کو ملحوظ رکھکر نصب کیا گیا ہے تو وہ تمام حکمتیں نگاہوں سے اوجھل ہو جائینگی جو اس سے وابستہ ہیں، اور یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہ آسکے گی کہ نوعِ انسانی کی دونوں صنفوں کے درمیان یہ امتیازی حدود آخر کیوں قائم کیے گئے ہیں۔ پس ستون کی حکمتوں کو ٹھیک سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس پوری عمارت کو دیکھ لیا جائے جس میں وہ نصب کیا گیا ہے۔

اب اسلام کا حقیقی پردہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ نظام معاشرت بھی آپ کے سامنے ہے جسکی حفاظت کے لیے پردہ کے ضوابط مقرر کیے گئے ہیں۔ اس نظام کے وہ تمام ارکان بھی آپ کے سامنے ہیں جنکے ساتھ ایک خاص توازن کو ملحوظ رکھکر پردے کا رکن مربوط کیا گیا ہے۔ وہ تمام ثابت

تمام علمی حقائق بھی آپ کے سامنے ہیں جن پر اس پورے نظام معاشرت کی بنا رکھی گئی ہے۔ ان سب کو دیکھ لینے کے بعد فرمائیے کہ اس میں کہاں آپ کوئی کمز… پا… تے ہیں؟ کس جگہ بے اعتدالی کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا ہے؟ کونسا مقام ایسا ہے جہاں ـــــ کسی خاص گروہ کے رجحان سے قطع نظر ـــــ محض علمی و عقلی بنیادوں پر کوئی اصلاح تجویز کی جا سکتی ہو؟ میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ زمین اور آسمان جس عدل پر قائم ہیں، کائنات کے نظم میں جس کمال درجہ کا تسویہ پایا جاتا ہے، ایک ذرہ کی ترکیب اور نظام شمسی کی بندش میں جیسا مکمل توازن و تناسب آپ دیکھتے ہیں، ویسا ہی عدل و تسویہ اور توازن و تناسب اس نظام معاشرت میں بھی موجود ہے۔ افراط اور تفریط اور یک رُخی جو انسانی کاموں کی ناگزیر کمزوری ہے، اُس سے یہ نظام یکسر خالی ہے۔ اس میں اصلاح تجویز کرنا انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ انسان اپنی عقل خام کی مداخلت سے اگر اس میں کوئی ادنیٰ ردوبدل بھی کریگا تو اس کی اصلاح نہ کریگا بلکہ اس کے توازن کو بگاڑ دیگا۔

افسوس! میرے پاس ایسے ذرائع نہیں ہیں کہ اپنے اُن انسانی بھائیوں تک اپنی آواز پہنچا سکوں جو یورپ، امریکہ اور جاپان میں رہتے ہیں۔ وہ ایک صحیح اور معتدل نظام تمدن نہ پانے ہی کی وجہ سے اپنی زندگی کو تباہ کر رہے ہیں اور دنیا کی دوسری قوموں کی تباہی کے بھی موجب بن رہے ہیں۔ کاش میں ان تک وہ آبِ حیات پہنچا سکتا جس کے وہ درحقیقت پیاسے ہیں اگرچہ پیاس محسوس نہ کرتے ہوں! تاہم میرے اپنے وطن کے ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی میری دسترس سے قریب ہیں۔ ان میں سے اکثر میری زبان بھی سمجھتے ہیں۔ میں انہیں دعوت دیتا ہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ تاریخی اور سیاسی جھگڑوں کی بدولت جو تعصب ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف پیدا ہو گیا ہے اس سے اپنے دلوں کو صاف کر کے محض طالبِ حق ہونے کی حیثیت سے اسلام کے اس نظام معاشرت کو دیکھیں جسے میں نے بے کم و کاست اس کتاب میں بیان کر دیا ہے، پھر اس مغربی نظام معاشرت سے اس کا موازنہ کریں جس کی طرف وہ بے تحاشا دوڑے چلے جا رہے ہیں

ہیں، اور آخر میں میری یا کسی اور کی خاطر نہیں بلکہ خود اپنی بھلائی کی خاطر فیصلہ کریں کہ ان کی حقیقی فلاح کس طریقہ میں ہے۔

اس کے بعد میں عام ناظرین کی طرف سے رخ پھیر کر چند الفاظ اپنے اُن گمراہ بھائیوں سے عرض کرونگا جو مسلمان کہلاتے ہیں۔

ہمارے بعض نئے تعلیم یافتہ مسلمان بھائی ان تمام باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ اسلام کے قوانین میں حالات زمانہ کے لحاظ سے شدت اور تخفیف کی تو کافی گنجائش ہے جس سے تم خود بھی شائد انکار نہیں کرسکتے۔ پس ہماری خواہش صرف اس قدر ہے کہ اسی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جائے۔ موجودہ زمانے کے حالات پردہ میں تخفیف کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان عورتیں مدرسوں اور کالجوں میں جائیں۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ ایسی تربیت حاصل کریں جس سے وہ ملک کے تمدنی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے قابل ہوسکیں۔ اس کے بغیر مسلمان زندگی کی دوڑ میں ہمسایہ قوموں سے پیچھے رہے جاتے ہیں، اور آگے چل کر اندیشہ ہے کہ اور زیادہ نقصان اٹھائینگے۔ ملک کی سیاسی زندگی میں عورتوں کو جو حقوق دیے جا رہے ہیں، اگر ان سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت مسلمان عورتوں میں پیدا نہ ہوئی، اور پردے کی قیود کے سبب سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکیں، تو ملک کے سیاسی ترازو میں مسلمانوں کا وزن بہت کم ہو جائے گا۔ دیکھو، دنیائے اسلام کی ترقی یافتہ اقوام مثلاً ٹرکی اور ایران نے بھی زمانے کے حالات کو دیکھ کر اسلامی حجاب میں بہت کچھ تخفیف[1] کردی ہے، اور اس سے چند ہی سال کے اندر نمایاں فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ اگر ہم بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلیں تو آخر اس میں کیا قباحت ہے؟

یہ جتنے خطرات بیان کیے جاتے ہیں، ہم ان سب کو جوں کا توں تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ اگر خطرات

[1] تخفیف! یہ لفظ محض بحث کی خاطر استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ دراصل وہاں تخفیف نہیں تنسیخ کی گئی ہے۔

کی فہرست میں اس سے دس گنا اور اضافہ ہوجائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ بہرحال اس نوعیت کے کسی خطرے کی بنا پر بھی اسلام کے قانون میں ترمیم یا تخفیف جائز نہیں ہو سکتی۔ دراصل ایسے تمام خطرات کی نوعیت یہ ہے کہ مثلاً آپ قصداً اپنی حماقت سے یا مجبوراً اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک کثیف اور مضر صحت ماحول میں رہتے ہوں اور وہاں حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کرنا آپ کے لیے نہ صرف مشکل ہو رہا ہو، بلکہ گندے لوگوں کی بستی میں آپ کے لیے گندگی اختیار کیے بغیر جینا تک دشوار ہو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ حفظان صحت کے اصولوں کی ترمیم یا تخفیف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا اگر آپ ان اصولوں کو صحیح سمجھتے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اپنے ماحول سے لڑ کر اسے پاک بنائیں۔ اگر لڑنے کی جرأت و ہمت نہیں اور اپنی کمزوری کی وجہ سے آپ اپنے ماحول سے مغلوب ہیں تو جائیے اور جو جو کثافتیں بھی آپ پر مسلط ہوں ان میں آلودہ ہو جائیے۔ آخر آپ کے لیے قوانین صحت میں ترمیم یا تخفیف کیوں کی جائے؟ اور اگر آپ واقعی ان قوانین کو غلط سمجھتے ہیں اور اس گندگی سے آپ کی اپنی طبیعت بھی مانوس ہے تو آپ اپنے لیے خود جو چاہیے قانون بنا لیجیے۔ پاکی اور طہارت کے قانون میں ان لوگوں کی خواہشات کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے جو گندگی کی طرف میلان رکھتے ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ ہر قانون کی طرح اسلامی قانون میں بھی حالات کے لحاظ سے شدت اور تخفیف کی گنجائش ہے، مگر ہر قانون کی طرح اسلامی قانون بھی اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ شدت یا تخفیف کا فیصلہ کرنے کے لیے حالات کو اسی نظر سے اور اسی اسپرٹ میں دیکھا جائے جو اسلام کی نظر اور اسلام کی اسپرٹ ہے۔ کسی مختلف نقطۂ نگاہ سے حالات کو دیکھنا اور پھر تخفیف کی قینچی لیکر دفعات قانون پر حملہ آور ہو جانا تخفیف کی تعریف میں نہیں آتا بلکہ یہ سادہ اور صریح تحریف ہے۔ جن حالات کو غیر اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھ کر قانون اسلامی میں "تخفیف" کرنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے، ان کو اگر اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ فیصلہ کرنا پڑیگا کہ ایسے حالات میں تخفیف کی نہیں بلکہ مزید شدت کی ضرورت

سہے۔ تخفیف صرف اس وقت کی جا سکتی ہے جبکہ قانون کے مقاصد دوسرے ذرائع سے بآسانی پورے ہو جاتے ہوں اور تحفظات میں زیادہ سختی کی حاجت نہ ہو۔ مگر جب کہ قانون کے مقاصد دوسرے ذرائع سے پورے نہ ہو رہے ہوں، بلکہ دوسری تمام قوتیں ان کو ضائع کرنے میں لگی ہوئی ہوں، اور ان مقاصد کے حصول کا تمام تر مدار صرف تحفظات ہی پر آ ٹھیرا ہو تو ایسی حالت میں صرف وہی شخص تخفیف کا خیال کر سکتا ہے جو قانون کی اسپرٹ سے قطعی نابلد ہو۔

پچھلے اوراق میں ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ اسلامی قانون معاشرت کا مقصد ضابطۂ ازدواج کی حفاظت، صنفی انتشار کی روک تھام اور غیر معتدل شہوانی تحریکات کا انسداد ہے۔ اس غرض کے لیے شارع نے تین تدبیریں اختیار کی ہیں۔ ایک اصلاح اخلاق۔ دوسرے تعزیری قوانین۔ تیسرے انسدادی تدابیر یعنی ستر و حجاب۔ یہ گویا تین ستون ہیں جن پر یہ عمارت کھڑی کی گئی ہے، جن کے استحکام پر اس عمارت کا استحکام منحصر ہے اور جن کا انہدام دراصل اس پوری عمارت کا انہدام ہے۔ آئیے اب اپنے ملک کے موجودہ حالات پر ایک نظر ڈالکر دیکھیے کہ ان تینوں ستونوں کا آپ کے ہاں کیا حال ہے؟

پہلے اپنے اخلاقی ماحول کو لیجیے۔ آپ اُس ملک میں رہتے ہیں جسکی پچھتر فی صدی آبادی آپ ہی کی اگلی پچھلی کوتاہیوں کی وجہ سے اب تک غیر مسلم ہے، جس پر ایک غیر مسلم قوم حکمراں ہے، جس پر ایک غیر مسلم تہذیب آندھی اور طوفان کی طرح چھائی چلی جا رہی ہے۔ پلیگ اور ہیضہ کے جراثیم کی طرح غیر اسلامی اخلاق کے اصول اور غیر اسلامی تہذیب کے تخیلات تمام فضا میں پھیل گئے ہیں۔ آپ کی ہوا ان سے مسموم ہو چکی ہے۔ اُن کی سمیت نے ہر طرف سے آپ کا احاطہ کر لیا ہے۔ فحش اور بے حیائی کی جن باتوں کے خیال سے ہی چند سال پہلے تک آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے وہ اب اس قدر معتاد ہو چکی ہیں کہ آپ انہیں روزمرّہ کے معمولات سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے بچے تک اخباروں اور رسالوں اور اشتہاروں میں فحش تصویریں روز دیکھتے ہیں اور بے حیائی کے عادی ہوتے جاتے ہیں۔ آپ کے بوڑھے اور جوان اور بچے سب کے سب سینما دیکھ رہے ہیں

جہاں عریانی اور بے حیائی اور شہوانی محبت سے زیادہ دلچسپ چیز اور کوئی نہیں - باپ اور بیٹے، بھائی اور بھائی، مائیں اور بیٹیاں، سب ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھ کر علانیہ بوس و کنار اور اختلاط و ملاعبت کے مناظر دیکھتے ہیں اور کوئی شرم محسوس نہیں کرتے - انتہا درجہ کے گندے اور ہیجان انگیز گیت گھر گھر اور دکان دوکان بج رہے ہیں اور کسی کے کان ان آوازوں سے محفوظ نہیں - ہندی اور فرنگی اعلیٰ سوسائٹی کی خواتین نیم عریاں لباسوں کے ساتھ پھر رہی ہیں اور نگاہیں اُن لباسوں کی اسقدر خوگر ہو چکی ہیں کہ کوئی شخص ان میں کسی قسم کی بے حیائی محسوس نہیں کرتا - اخلاق کے جو تصورات مغربی تعلیم و تہذیب کے ساتھ پھیل رہے ہیں اُن کی بدولت نکاح کو ایک فرسودہ رسم، زنا کو ایک تفریح، مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو ایک ناقابلِ اعتراض بلکہ مستحسن چیز، طلاق کو ایک کھیل، ازدواجی فرائض کو ایک ناقابلِ برداشت بندھن، توالد و تناسل کو ایک حماقت، شوہر کی اطاعت کو ایک نوع کی غلامی، بیوی بننے کو ایک مصیبت اور معشوق بننے کو ایک خیالی جنت سمجھا جا رہا ہے -

پھر دیکھیے کہ اس ماحول کے اثرات آپ کی قوم پر کیا پڑ رہے ہیں - کیا آپکی سوسائٹی میں اب غضِّ بصر کا کہیں وجود ہے؟ کیا لاکھوں میں ایک آدمی بھی کہیں ایسا پایا جاتا ہے جو اجنبی عورتوں کے حسن سے آنکھیں سینکنے میں باک کرتا ہو؟ کیا علانیہ آنکھ اور زبان کی زنا نہیں کی جا رہی ہے؟ کیا آپ کی عورتیں بھی تبرج جاہلیہ اور اظہار زینت اور نمائش حسن سے پرہیز کر رہی ہیں؟ کیا آج آپ کے گھروں میں ٹھیک وہی لباس نہیں پہنے جا رہے ہیں جن کے متعلق آنحضرت نے فرمایا تھا کہ "نساءٌ کاسیات عاریات ممیلات مائلات"؟ کیا آپ اپنی بہنوں اور بیٹیوں اور ماؤں کو وہ لباس پہنے نہیں دیکھ رہے ہیں جن کو مسلمان عورت اپنے شوہر کے سوا کسی کے سامنے نہیں پہن سکتی؟ کیا آپ کی سوسائٹی میں فحش قصے اور عشق و محبت کے گندے واقعات بے تکلفی کے ساتھ کہے اور سنے نہیں جاتے؟ کیا آپ کی محفلوں میں لوگ خود اپنی بدکاری کے حالات بیان کرنے میں بھی کوئی شرم محسوس کرتے ہیں؟ جب

حال یہ ہے تو فرمائیے کہ طہارت اخلاق کا وہ پہلا اور سب سے زیادہ مستحکم ستون کہاں باقی رہا جس پر اسلامی معاشرت کا ایوان تعمیر کیا گیا تھا؟ اسلامی غیرت تو اب اس حد تک مٹ چکی ہے کہ مسلمان عورتیں صرف مسلمانوں ہی کے نہیں، کفار تک کے ناجائز تصرف میں آرہی ہیں۔ انگریزی حکومت میں نہیں مسلمان ریاستوں تک میں اس قسم کے واقعات علی رؤس الاشہاد پیش آرہے ہیں۔ مسلمان ان واقعات کو دیکھتے اور سنتے ہیں مگر ان کے خون متحرک نہیں ہوتے۔ ایسے بے غیرت مسلمان بھی دیکھے گئے ہیں جن کی اپنی بہنیں کسی غیر مسلم کے تصرف میں آئیں اور انہوں نے فخریہ اس کا اظہار کیا کہ ہم فلاں بڑے کافر کے برادر نسبتی[1] ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی بے حیائی اور اخلاقی انحطاط کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے؟

اب ذرا دوسرے ستون کا حال بھی دیکھیے۔ تمام ہندوستان سے اسلامی تعزیرات کا پورا قانون مٹ چکا ہے۔ زنا اور قذف کی حد نہ مسلمان ریاستوں میں جاری ہوتی ہے نہ برٹش انڈیا میں۔ صرف یہی نہیں بلکہ جو قانون اس وقت ملک میں نافذ ہے وہ سرے سے زنا کو جرم ہی نہیں سمجھتا۔ اگر کسی شریف بہو بیٹی کو کوئی شخص بہکا کر بدکار بنانا چاہے تو آپ کے پاس کوئی قانونی ذریعہ ایسا نہیں جس سے اس کی عصمت محفوظ رکھ سکیں۔ اگر کوئی شخص کسی بالغ عورت پر اس کی رضامندی سے ناجائز تصرف کرے تو آپ کسی قانون کے ذریعہ سے اس کو سزا نہیں دلوا سکتے۔ اگر کوئی عورت علانیہ فحش کاری پر اتر آئے تو آپ کے پاس کوئی قوت ایسی نہیں جس سے آپ اس کو روک سکیں۔ قانون صرف زنا بالجبر کو جرم ٹھیراتا ہے مگر جو لوگ قانون پیشہ ہیں ان سے پوچھیے کہ زنا بالجبر کا ثبوت دینا کس قدر مشکل ہے۔ منکوحہ عورت کا بھگالے جانا بھی جرم ہے۔ مگر انگریزی قانون جاننے والوں سے دریافت کیجیے کہ اگر منکوحہ عورت

[1] یہ واقعہ جنوبی ہند کا ہے۔ میرے ایک دوست نے مجھے ایک اور واقعہ اس سے بھی زیادہ افسوسناک سنایا۔ مشرقی ہند میں ایک نام کی مسلمان عورت ایک بڑے دولت مند غیر مسلم کے ساتھ علانیہ تعلق رکھتی ہے اور اسکے نتیجہ میں اس نے بہت بڑی جائداد حاصل کی ہے۔ میرے دوست کا بیان ہے کہ انہوں نے بارہا مقامی مسلمانوں۔ نام نہاد مسلمانوں۔ کو اس بات پر خوشی کا اظہار کرتے دیکھا ہے کہ غیر مسلم کے پاس سے دو مسلمانوں میں اتنی بڑی دولت آگئی!

خود اپنی رضامندی سے کسی کے گھر جا پڑے تو اس کے لیے آپ کے فرمانرواؤں کی عدالت میں کیا چارۂ کار ہے؟

غور کیجیے! یہ دونوں ستون منہدم ہو چکے ہیں۔ اب آپ کے نظم معاشرت کی پوری عمارت صرف ایک ستون پر قائم ہے۔ کیا آپ اسے بھی مسمار کر دینا چاہتے ہیں؟ ایک طرف پردے کے وہ نقصانات ہیں جن کو آپ نے اوپر گنایا ہے۔ دوسری طرف پردہ اٹھا دینے میں اخلاق اور نظام معاشرت کی کامل تباہی ہے۔ دونوں کے درمیان موازنہ کیجیے۔ مصیبتیں دونوں ہیں اور ایک کو بہرحال قبول کرنا ہے۔ اب آپ خود ہی اپنے دل سے فتویٰ طلب کیجیے کہ ان میں سے کون سی کم تر مصیبت ہے؟

پس اگر احوال زمانہ ہی پر فیصلہ کا انحصار ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کے احوال پردے میں تخفیف کے نہیں اور زیادہ اہتمام کے مقتضی ہیں، کیونکہ آپ کے نظام معاشرت کی حفاظت کرنے والے دو ستون کر چکے ہیں اور اب تمام دارومدار صرف ایک ہی ستون پر ہے۔ تمدن اور معیشت اور سیاست کے مسائل آپ کو حل کرنے ہیں تو سر جوڑ کر بیٹھیے، غور کیجیے، اسلامی حدود کے اندر اس کے حل کی دوسری صورتیں بھی نکل سکتی ہیں۔ مگر اس بچے کھچے ستون کو جو پہلے ہی کافی کمزور ہو چکا ہے، اور زیادہ کمزور نہ بنائیے۔ اس میں تخفیف کرنے سے پہلے آپ کو کم از کم اتنی قوت پیدا کرنی چاہیے کہ اگر کوئی مسلمان عورت بے نقاب ہو تو جہاں اس کو گھورنے کے لیے دو آنکھیں موجود ہوں وہیں اُن آنکھوں کو نکال لینے کے لیے پچاس ہاتھ بھی موجود ہوں۔